حالات وواقعات

خورشید احمد ندیم

مدارس کی اصلاح: ایک اور کمیٹی!

قوم کو یہ مژدہ ہو کہ مدارس کی اصلاح کے لیے دو کمیٹیاں مزید بنا دی گئی ہیں۔ انسانی یادداشت تو شاید اس کی متحمل نہ ہو سکے، کوئی کیلکولیٹر ہی بتا سکے گا کہ اب تک اس کارِ خاص کی بجا آوری کے لیے کتنی کمیٹیاں بنائی جا چکیں۔ وزیرِ داخلہ نے مکرر ارشاد فرمایا کہ مدارس اور علما نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شاندار کردار ادا کیا ہے۔ سادہ سا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی بڑی شکایت نہیں ہے تو یہ پے در پے کمیٹیاں کس لیے؟ ایسا غیر معمولی اجلاس کیوں جس میں وزیرِ اعظم کے ساتھ آرمی چیف اور ڈی جی آئی ایس آئی بھی شریک ہیں۔ ایک معمولی سی بات کے لیے اس سطح کے لوگوں کو زحمت دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ معمولی کام تو وزیرِ داخلہ کے حکم پر، ان کی وزارت کا معمولی اہل کار بھی نمٹا سکتا تھا۔

خیر یہ امورِ جہاں بانی، ہم جیسے عامی کیا سمجھیں۔ بڑے دماغوں کا کام بڑوں ہی کے لیے چھوڑتے ہوئے، میں ایک بات کو موضوع بنانا چاہتا ہوں جو اعلیٰ سطحی اجلاس سے چھن کر باہر آئی۔ کہا گیا کہ جب اصلاح مطلوب ہے تو صرف مدارس ہی کی کیوں؟ پورے تعلیمی نظام کی کیوں نہیں؟ میرا خیال ہے جس نے بھی یہ بات کہی، اس کی بصیرت کی داد دینی چاہیے۔ یہ سچ ہے کہ اصلاح صرف مدارس کی نہیں، تعلیم کے سارے نظام کی ضرورت ہے۔ اگر یہ مقدمہ درست ہے تو پھر تعلیم کو ایک اکائی کے طور پر دیکھنا پڑے گا۔ پھر دینی اور دنیاوی کی تقسیم غیر ضروری ہے۔ پھر تو معاملے کا سارا تناظر ہی بدل جائے گا۔

مدارس کیوں ضروری ہیں؟ ہم سب جانتے ہیں کہ مدارس اُس علمی ورثے کی حفاظت کے لیے وجود میں لائے گئے تھے، انگریزوں کی آمد کے بعد، جس کے ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ خدشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ مدارس نے اپنے ذمہ دو کام لیے۔ ایک یہ کہ ایسے علما تیار کیے جائیں جو روایتی علوم کے ماہر ہوں اور یوں اس روایت کو زندہ رکھیں۔ دوسرا یہ کہ سماج کی دینی ضروریات پوری کریں۔ مسلمان گھرانوں کو وہ معلم میسر آئیں جو ان کے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں۔ ان کی مساجد کو آباد رکھیں اور یہ کہ موت اور پیدائش سے متعلق دینی رسوم ادا کی جا سکیں۔ آزادی کے بعد لازم تھا کہ ریاست یہ ذمہ داری اٹھا لیتی۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ یوں یہ روایت نجی سطح پر برقرار رہی کیونکہ ضرورت باقی

تھی۔ ریاست کی اس لاتعلقی نے مذہب کی ایک معیشت کو جنم دیا۔ یوں ایک طبقہ وجود میں آیا جس کی معاش اس سے وابستہ ہوگئی۔ ۱۹۷۹ء کے بعد جب ریاست کو افغانستان میں ایک معرکہ درپیش ہوا تو اس نے ان مدارس کو ایک نرسری سمجھا اور یوں ان کی مدد سے افغانستان کی جنگ کے لیے رضا کار تیار کیے اور وہ مبلغ بھی جو ریاست کے تصورِ جہاد کو پھیلا رہے تھے اور مزید رضا کار تیار کرنے میں ریاست کے مددگار تھے۔

اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا، اسے بار بار دہرایا جا چکا۔ قصہ مختصر کہ اب ریاست اس کام کو سمیٹنا چاہتی ہے، جسے اس نے ۱۹۷۹ء کے بعد پھیلا دیا تھا۔ اس باب میں ریاست سے دو بنیادی غلطیاں ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ آزادی کے بعد اس نے مسلم آبادی کی دینی ضروریات سے صرفِ نظر کیا۔ دوسرا یہ کہ افغانستان کی جنگ میں اس نے ان مدارس کے سماجی کردار کو یکسر تبدیل کر دیا۔ پہلے ان کا کام سماج کی دینی ضروریات کی تکمیل تھا۔ اب انہیں ریاست کے سکھائے ہوئے تصورِ دین کا مبلغ بنا دیا گیا اور ساتھ ہی رضا کاروں کی فراہمی کا کام بھی سونپ دیا گیا۔ ریاست ہی نے وہ ماحول فراہم کیا جس کے ذریعے، مذہبی سیاسی جماعتوں نے، طلبا تنظیموں کے زیرِ اہتمام، اس تصورِ دین کو جدید تعلیمی اداروں تک پہنچا دیا۔ اب اس تصورِ دین کے مبلغ اور رضا کار دونوں طرح کے تعلیمی اداروں میں موجود تھے۔ افغان جنگ سے لے کر القاعدہ تک، سب کو زیادہ جان نثار، جدید تعلیمی اداروں سے ملے۔ اس کے لیے اگر آج کسی مردِ دانا نے پورے نظامِ تعلیم کی اصلاح کی بات کی تو اس نے غلط نہیں کہا۔

اس خرابی نے چونکہ ریاست کی غلطی سے جنم لیا، اس لیے لازم ہے کہ وہی اس کو درست کرے۔ ایک تو وہ سماج کی دینی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری اٹھائے۔ دوسرا یہ کہ تعلیمی نظام کو ایک سمت دے اور اس سے دوئی کو ختم کرے۔ میں اس کے لیے چند اقدامات تجویز کر رہا ہوں:

۱۔ ملک میں بنیادی بارہ سالہ تعلیم کا یکساں نظام قائم کیا جائے۔ تمام بچوں کے لیے یہ تعلیم لازم ہو۔

۲۔ بارہ سالہ تعلیم کے بعد تخصص کا آغاز ہو۔ آج جس طرح میڈیکل، انجینئرنگ اور دوسرے شعبوں کے ماہرین تیار کرنے کے لیے خصوصی تعلیم کے کالجز قائم ہیں، اسی طرز پر دینی تعلیم کے ماہرین کی تیاری کے لیے ادارے قائم ہوں جہاں پانچ سال تک دین کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ حکومت جس طرح ڈاکٹرز، انجینیرز کو ڈگری دیتی ہے اسی طرح دینی تعلیم کے ماہرین کو ڈگریاں جاری کرے۔ ان کو بھی اسی طرح تنخواہیں اور مراعات دی جائیں، جیسے دوسرے شعبے کے لوگوں کو دی جاتی ہیں۔

۴۔ مرکزی سطح پر ایک محکمہ قائم کیا جائے جو سماج کی دینی ضروریات کا خیال رکھے۔ مسجد، مکتب اور دیگر دینی ذمہ داریوں کے لیے افراد کا انتخاب کرے اور ان کی تعیناتی کرے۔ اس کے لیے ترکی کے ادارے 'دیانت' کو مثال بنایا جا سکتا ہے۔

۵۔ اس وقت جو دینی مدارس تخصص اور اعلیٰ تعلیم کی شہرت رکھتے ہیں، انہیں اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دے دیا جائے۔ ان کا نظم بھی دیگر یونیورسٹیوں کی طرح ایچ ای سی (HEC) کے پاس ہو۔ نجی سطح پر اعلیٰ دینی علوم کے لیے

یونیورسٹیاں قائم کرنے کی اجازت ہو جس طرح آج دیگر علوم کے لیے جامعات قائم ہو رہی ہیں۔

۶۔ دیگر تمام مدارس کو بارہ سال کی عمومی تعلیم کے اداروں میں بدل دیا جائے۔ اساتذہ میں جو اہل ہیں، انہیں ریفرشر کورسز کرائے جائیں اور انہیں وہی سکیل دیے جائیں جو اس وقت دیگر اساتذہ کو دیے جاتے ہیں۔ جو اپنی تعلیم کو بہتر بنانا چاہیں، انہیں اس کا موقع دیا جائے۔ عام اساتذہ کی طرح ان کی بھی تبدیلی اور ریٹائرمنٹ ہو۔

۷۔ تمام تعلیمی اداروں میں سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا داخلہ ممنوع ہو، انہیں طلبا ونگز بنانے سے روک دیا جائے۔ اداروں کی انتظامیہ کو پابند کیا جائے کہ طالب علموں کی دینی اور دیگر ضروریات کا خیال رکھے۔ جیسے مسجد کا قیام اور مروجہ اخلاقی روایات کی حفاظت۔

۸۔ اتحاد تنظیمات المدارس کے ذمہ داران کی مشاورت سے اس سارے نظام کی تشکیلِ نو کی جائے اور اس کے لیے تدریج کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ جن مدارس کو عمومی تعلیم کے اداروں میں بدلنا ممکن نہ ہو تو انہیں مکتب بنا دیا جائے، جن کی حیثیت قبل از تدریس (Pre-Schooling) اداروں کی ہو۔

۹۔ حکومت علما کی تائید حاصل کرنے کے لیے، یہ منصوبہ آرمی چیف اور ڈی جی آئی ایس آئی کی موجودگی میں ان کے سامنے رکھے۔ انشاء اللہ برکت ہوگی۔

کیا یہ سب کچھ ہو جائے گا؟ میرا جواب ہے: 'نہیں'۔ اربابِ اقتدار اور بیوروکریسی میں یہ صلاحیت موجود نہیں۔ ان کی قوتِ پرواز ہم دیکھ چکے جو اسلام آباد کے نظامِ صلاۃ تک ہے۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اس کام کے لیے سماج اور مذہب کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ اہلِ اقتدار کے نصاب میں شامل ہیں نہ افسر شاہی کے۔ اگر میں اس کو لا حاصل سمجھتا ہوں تو لکھ کیوں رہا ہوں؟ اس کا میرے پاس ایک ہی جواب ہے: وما علینا الا البلاغ

(بشکریہ روزنامہ ''دنیا'')

مقالاتِ ایوبی

رشحاتِ قلم: مولانا قاضی محمد رویس خان ایوبی

چند عنوانات: ٥ منافع خوری کی حد اسلامی نقطہ نظر سے ٥ عدالتی فسخ نکاح کی شرعی حیثیت ٥ زنا غیر مستوجب حد میں مجرم کو تعزیری سزا ٥ عوامی مفاد کے لیے قبرستان اور مسجد کی جگہ کا استعمال ٥ واقعہ کربلا تاریخ کے آئینے میں ٥ طلبہ کے سوالات واشکالات اور ارباب مدارس کا رویہ

ناشر: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

صفحات: ۲۴۶۔ قیمت: ۲۵۰ روپے